د: ڈاکٹر گلبرگ نے اپنی کتاب ''اسکیمو ڈاکٹر'' لکھنے کے لیے کیا کیا جتن کیے؟

جواب: ڈاکٹر گلبرگ گرین لینڈ گئے اور کئی برس اسکیموؤں کے ساتھ گزارے۔ ان کی زبان اور معاشرت اختیار کی۔ مچھلی اور ریچھ کا گوشت کھاتے رہے۔ بے نمک کھانے کھائے، برف کے جھونپڑوں میں قیام کیا اور پھر یہ کتاب لکھی۔

ہ: ڈاکٹر گلبرگ اور ان کی بی بی کو بطور سیاح ہندوستان میں اپنا عرصۂ قیام کیوں مختصر کرنا پڑا؟

جواب: ڈاکٹر گلبرگ اور ان کی بی بی کے ہندوستان میں قیام کے دوران میں ہندوؤں نے گئوکشی کے خلاف پرتشدد مظاہرہ کیا۔ مظاہرین نے مغربی سیاحوں کو بھی گھیر لیا کہ یہ بھی مسلمانوں کی طرح گائے کا گوشت کھاتے ہیں۔ ڈاکٹر گلبرگ بڑی مشکل سے جان بچا کر نکلے اور اسی روز ہندوستان سے نیپال چلے گئے۔

و: ڈاکٹر گلبرگ کی بی بی نے کابل میں سنگترے کیسے خریدے؟

جواب: ڈاکٹر گلبرگ کی بی بی (بیوی) نے مصنف سے کہا کہ سنگتروں کا بھاؤ پوچھو۔ مصنف نے کوشش کی مگر سنگترہ فروش ان کی فارسی سمجھ نہ سکا۔ مصنف نے ایک اور سنگترہ فروش کو اشارے سے سمجھایا کہ اس باٹ کے برابر سنگترے دے دو اور دس افغانی کا نوٹ دے کر سنگترے اور باقی ریزگاری حاصل کی۔

ز: مصنف نے کابل جانے سے پہلے افغانستان کے بارے میں کیا پڑھا تھا؟

جواب: مصنف نے پڑھا تھا کہ ''ادھر آپ نے درہ خیبر کے پار، افغانستان کی نئی سرزمین میں قدم رکھا، ادھر ایک صدی پیچھے پہنچ گئے۔''

ح: افغانستان میں پبلشرز یا بک سیلرز کیوں نہیں ہوتے؟

جواب: افغانستان میں صرف حکومتی محکمے اور ادارے سرکاری مطبعوں میں کتابیں چھاپتے ہیں۔ ملک بھر میں کوئی پرائیوٹ پرنٹنگ پریس نہیں۔ اسی لیے ملک میں پبلشرز اور بک سیلرز بھی نہیں ہوتے۔

ط: افغانستان میں ریلوے لائن کیوں نہیں ہے؟

جواب: افغان حکمران شاہ امان اللہ خان نے دارالامان نامی بستی تک ریلوے لائن بچھائی تھی۔ بچہ سقہ نے امان اللہ سے بادشاہت چھینی تو ریلوے لائن کو فرنگیوں کی بدعت قرار دیتے ہوئے پٹڑیاں اکھاڑ دیں۔

2: مصنف نے دریائے کابل کا جو نقشہ کھینچا ہے۔ اسے اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

جواب: دریائے کابل شہر کے بیچوں بیچ بہتا ہے۔ اس کی وسعت مصنف کے خیال میں گندے نالے کی طرح ہے۔ گرمیوں میں برف پگھلتی ہے تو اس کی کمزوری دُور ہو جاتی ہے۔ مصنف کو کراچی کا گندہ نالہ اس سے زیادہ وسیع اور اُس کا پانی اس سے زیادہ شفاف محسوس ہوتا ہے۔ عورتیں اس کے کنارے کپڑے دھوتی ہیں۔ بچے نہاتے ہیں آس پاس رہنے والے گھروں کا کوڑا پھینکتے ہیں۔ یہی دریا پیاسوں کی پیاس بجھاتا ہے۔

3۔ درج ذیل الفاظ کا تلفظ اعراب کی مدد سے واضح کیجیے۔

تُوْزَانُ۔ تَعْوِیْقِ۔ کَلَّہ۔ کَماحَقّہٗ۔ کَسْرِ نَفْسِی۔ بِدْعَتْ۔ آثَارُ صَنَادِیْد۔ خَشْمگِیْں۔

4۔ درج ذیل محاورات کو اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کیجیے کہ ان کا مفہوم واضح ہو جائے۔

- کچا پڑنا: اکرام کی چوری پکڑی گئی تو وہ گھر والوں کے سامنے بہت کچا پڑا۔
- نظر لگنا: تاج محل اتنا خوبصورت ہے کہ دیکھنے والوں کی نظر لگ جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔
- مچل جانا: نذیر احمد کی پر درد تقریر سن کر حاضرین مچل گئے۔
- پلے پڑنا: عجیب آدمی کے پلے پڑے ہیں۔ اسے ہماری بات ہی سمجھ میں نہیں آتی۔
- سر منڈھنا: کابل میں سنگترے خریدنے کا کام مصنف کے سر منڈھا گیا۔
- جان چھوٹنا: گلگت کے پہاڑی سفر سے خدا خدا کر کے جان چھوٹی۔
- بے مزہ ہونا: ڈاکٹر گلبرگ ہندوستان کے سفر سے بے مزہ ہوئے۔

5۔ سبق کے متن کو پیش نظر رکھتے ہوئے خالی جگہوں کو پُر کیجیے۔

الف: ان لوگوں کا ہم ذکر نہیں کرتے جو ہم سے جل کر طعنے تشنے پر اُتر آئے تھے۔ (مار کٹائی' تو تکار' طعنے تشنے)

ب: آتش دان میں آتش دہک رہی ہے۔ (جل' دہک' سلگ)

ج: ان کی وضع قطع سج دھج سب سے الگ تھی۔ (سج دھج' شکل وصورت' تراش خراش)

د: افغانستان میں ریلوے نام کی کوئی چیز نہیں یہ شیطانی چرخہ تمہی کو مبارک ہو۔'' (بدعت' ایجاد' شیطانی چرخہ)

ہ: پورے ملک میں مطبعوں کی تعداد پانچ ہے۔ (پانچ' پچاس' ان گنت)

و: شاہ امان اللہ خاں نے اپنے زمانے میں دارالامان نام کی تازہ بستی بسائی تھی (دارالعوام' دارالامان' دارالاسلام)

6: مندرجہ ذیل جملوں کو مطابقت کے اصولوں کے پیش نظر درست کر کے لکھیے:

درست جملے	غلط جملے
الف: ''مکاتیبِ غالب'' چھپ گئی ہے۔	الف: ''مکاتیبِ غالب'' چھپ گئے ہیں۔
ب: جلسے میں عورتیں بھی آئی ہوئی تھیں۔	ب: جلسے میں عورتیں بھی آئیں ہوئیں تھیں۔
ج: میاں بیوی ہنسی خوشی رہتے ہیں۔	ج: میاں بیوی ہنسی خوشی رہتی ہے۔
د: گھر عورت کی سلطنت ہوتا ہے۔	د: گھر عورت کی سلطنت ہوتی ہے۔
ہ: نیکی کی راہ بھی کٹھن ہے۔	ہ: نیکی کا راہ بھی کٹھن ہے۔

☆ سیاق و سباق کے حوالے سے اہم اقتباسات کی تشریح

اقتباس 1: ''ایک جوتا مارکیٹ ہم شر ماشری میں نہیں گئے، ورنہ کون سی جگہ ہے جہاں سے ہم نے اپنے لیے

کپڑے جمع نہیں کیے۔ ہمیں دراصل اوورکوٹ وغیرہ درکار تھے اور کوئی ادنیٰ زیرجامہ مل جاتا تو سبحان اللہ لیکن ہماری شہرت ایسی خراب ہوئی کہ لوگوں نے قیاس کیا، ہم شاید فلسطین کے مہاجروں یا افغانستان کے پاوندوں کے لیے کپڑے جمع کر رہے ہیں۔ نتیجتاً سب نے اپنے پھٹے ہوئے، گھسے ہوئے کپڑے ہمارے سر منڈھنے کی کوشش کی۔ وہ جانتے تھے کہ اگر واپس دے گا تو ڈرائی کلین کرا کے دے گا۔ نہ دے گا تو ہماری جان ان کپڑوں سے چھوٹے گی۔'' (سرمایۂ اُردو 12، صفحہ نمبر 116)

حوالہ متن: **سبق کا عنوان** : ایک سفرنامہ جو کہیں کا بھی نہیں ہے

مصنف کا نام : ابن انشا

سیاق وسباق: ابن انشا نے اپنے سفرِ افغانستان کا احوال مزاحیہ انداز میں تحریر کیا ہے۔ وہ افغانستان کی پسماندگی اور افغانوں کی روایت پسند ذہنیت کو گہرے طنز کا نشانہ بناتے ہیں۔ افغانستان میں ریلوے سٹیشن ہے نہ پبلشروں کا کوئی وجود ہے۔ کتابیں سرکار مطبعوں میں چھپتی ہیں۔ مصنف یا شاعر کتاب چھپوانے کے لیے حکومت کو درخواست بھیجتا ہے جس کے بعد سرکاری ادارے مواد کا ٹھوک بجا کر جائزہ لیتے ہیں اور اگر وہ بے ضرر ثابت ہو تو لکھنے والے کے خرچ پر کتاب چھاپ کر اس کے حوالے کر دیتے ہیں کہ جہاں چاہو بیچو۔ افغانستان کے بڑے حصے میں فراہمی آب کا کوئی باقاعدہ اور جدید انتظام نہیں اور سقوں کا رواج ہے۔ ابن انشا نے افغانستان جانے کا [illegible] نے کابل کی سردی سے بہت ڈرایا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ابن انشا [illegible] گرم کپڑے [illegible] میں مصروف ہوگئے۔

تشریح: افغانستان کی شدید سردی کے متعلق اپنے دوستوں کی خوفزدہ کر دینے والی باتیں سن کر ابن انشا نے بہت سے گرم کپڑے جمع کر لیے۔ وہ لکھتے ہیں کہ گرم کپڑے خریدنے کے لیے میں نے کراچی کی تمام مارکیٹیں گھوم لیں۔ صرف جونا مارکیٹ نہیں گیا جس کی وجہ یہ سوچ تھی کہ کسی دوست نے مجھے جونا مارکیٹ میں دیکھ لیا تو سوچے گا کہ میں غریب غربا کی مارکیٹ سے خریداری کر رہا ہوں۔ میں اوورکوٹ اور زیرجامہ تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ اس مسلسل تلاش نے میری شہرت خراب کر دی، مجھے روز روز مارکیٹوں کے پھیرے لگاتا دیکھ کر لوگ یہ سوچنے لگے کہ میں کوئی سماجی کارکن ہوں اور اسرائیلی مظالم سے تنگ آ کر گھر بار چھوڑنے والے فلسطینیوں یا پھر افغانستان کے خانہ بدوش قبائلیوں کی امداد کے لیے کپڑے جمع کرتا پھر رہا ہوں۔ یہ تاثر پھیلنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ دوستوں نے اپنے پھٹے پرانے اور گھسے ہوئے کپڑے ہمارے سر منڈھنے کی کوشش کی۔ اس سخاوت میں دوستوں کا فائدہ ہی فائدہ تھا۔ انھیں معلوم تھا کہ میں نے یہ پرانے کپڑے واپس کرنے کا فیصلہ کیا تو احسان مندی اور ممنونیت کے جذبات کے تحت انھیں کم از کم ڈرائی کلین تو کروا ہی دوں گا۔ اس طرح برسوں کے میلے کچیلے یہ کپڑے نکھر اور سنور کر انھیں واپس ملیں گے۔ دوسری صورت میں اگر میں کپڑے قبول کر لوں گا تو ان کی جان اس بوجھ سے چھوٹ جائے گی۔

اقتباس 2: ''حکومت کے محکمے اور ادارے سرکاری مطبعوں میں کتابیں چھاپتے ہیں۔ ان کی بھی مکمل تعداد پورے ملک میں پانچ ہے۔ پرائیوٹ پریس کوئی نہیں ہے۔ اوّل تو ان حالات میں کوئی شخص کچھ لکھنے کا حوصلہ ہی نہیں کرتا اگر کوئی مرزا غالب یا فیض احمد فیض پیدا ہو بھی جائے تو ازراہِ قانون اسے حکومت کو عرضی دینی چاہیے کہ بندے کی یہ تالیف لطیف زیورِ طبع سے آراستہ کی جائے۔ وہ ٹھوک بجا کر (کسی کام میں جلدی نہیں کی جاتی) دیکھیں گے کہ ہاں کوئی مضائقہ نہیں تو حکم ملے گا اچھا چھاپے دیتے ہیں۔ کاغذ کتاب طباعت کے لاؤ اور جب چھپ جائے تو جہاں جی چاہے، جیسے جی چاہے بیچو۔'' (سرمایۂ اُردو 12، صفحہ نمبر 122,121)

حوالہ متن: سبق کا عنوان : ایک سفرنامہ جو کہیں کا بھی نہیں ہے

مصنف کا نام : ابن انشا

سیاق وسباق: ابن انشا نے اپنے سفر افغانستان کا احوال دلچسپ لہجے اور دلکش انداز میں تحریر کیا ہے۔ ان کے دوستوں نے انھیں کابل کی سردی سے بہت ڈرایا تھا جس کی وجہ سے ابن انشا نے گرم کپڑوں کا انتظام کر لیا تھا۔ موسم کی خرابی کے باعث ہوائی جہاز کابل نہ اُتر سکا اور اسے پشاور واپس آنا پڑا جہاں ان کی ملاقات ڈاکٹر گلبرگ سے ہوئی اور یہ ساتھ کابل میں بھی قائم رہا۔ ابن انشا لکھتے ہیں کہ افغان لوگ روایات پر جان دیتے ہیں۔ افغانستان میں ریلوے کا وجود نہیں۔ وہاں پبلشرز بھی نہیں ہوتے اور کتابیں صرف حکومت کی اجازت اور مسودے کی منظوری ملنے کے بعد سرکاری مطبعوں ہی میں چھپتی ہیں۔ افغانستان میں فراہمی آب کا بھی مناسب انتظام نہیں اور کابل میں مشکے پانی کی فراہمی کا کام کرتے ہیں۔

تشریح: ابن انشا نامور شاعر اور ادیب تھے۔ اسی لیے انھوں نے کابل میں اپنے ایک افغان دوست سے ملک میں کتابیں چھاپنے اور فروخت کرنے کے انتظام کے متعلق پوچھا جس پر ان کے دوست نے حیرتناک انکشافات کیے۔ اس افغان نے بتایا کہ افغانستان بھر میں کوئی پبلشر نہیں۔ یہاں کتب فروشی کا کاروبار بھی نہیں ہوتا۔ ملک بھر میں کل پانچ سرکاری پرنٹنگ پریس ہیں۔ کوئی ایک پرنٹنگ پریس بھی نجی شعبہ کی ملکیت میں نہیں۔ افغان حکومت نے آزادئ اظہار پر کڑی پابندیاں لگا رکھی ہیں۔ حکومتی ادارے اور سرکاری پریس ہی کتابیں چھاپتے ہیں۔ جبر کے اس ماحول میں کوئی کتاب لکھنا آسان کام نہیں پھر بھی مرزا اسد اللہ خان غالب یا فیض احمد فیض جیسا کوئی جرأت مند اہلِ قلم یہ ''قلم بندی'' توڑنے کا حوصلہ کر لے تو اسے قانونی طریق کار اپنانا پڑتا ہے جس کا پہلا مرحلہ حکومت کو یہ درخواست بھیجنا ہے کہ میری کتاب شایع کی جائے۔ درخواست موصول ہونے کے بعد حکومتی محکمے مسودے کا تفصیلی جائزہ لیتے ہیں اور اگر ان کی نظر میں مسودے میں قومی سلامتی اور مفاد کے منافی کوئی بات شامل نہ ہو تو کتاب چھاپنے پر آمادگی ظاہر کر دیتے ہیں۔ اس کڑے معیار پر پوری اُترنے والی کتاب چھپوانے کے لیے بھی اخراجات کا بندوبست خود مصنف ہی کو کرنا پڑتا ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ کتاب چھپنے کے بعد اسے فروخت کرنا بھی مصنف کی ذمہ داری ہے۔ وہ جیسے چاہے، اسے بیچے اور اپنی رقم کی وصولی کا انتظام کرے۔